التثبیت بمراقبة المبیت

(مراقبہ موت کی ضرورت اور اس کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	مقصودِ بیان	۷
۲	مراقبہ میں آسانی یا مشقت	۸
۳	ہر خبر سے مقصود انشاء ہے	۹
۴	آیت میں جملہ خبریہ سے مقصود کیا ہے	۹
۵	شبہ کا جواب	۱۰
۶	عذاب قبر سے ڈرنے کا حکم	۱۰
۷	اشکال کا جواب	۱۱
۸	آیت میں مذکور مراقبہ	۱۲
۹	آخرت کی یاد سے غفلت کی وجہ	۱۲
۱۰	ایک بے ہودہ خیال	۱۴
۱۱	آخرت کی اقسام	۱۴
۱۲	قرآن کریم میں مراقبات کی تعلیم	۱۵

۱۳	موت اور قبر کا دھیان	۱۶
۱۴	بعض بزرگوں کا حال	۱۷
۱۵	حضور ﷺ کی نیند کا حال	۱۸
۱۶	ایک اشکال کا جواب	۱۸
۱۷	ایک شبہ کا جوابِ اول	۱۸
۱۸	دوسرا جواب	۱۹
۱۹	موت کی یاد کا طریقہ	۱۹
۲۰	قبر میں فرشتوں کا سوال وجواب	۲۰
۲۱	سماعِ موتیٰ	۲۱
۲۲	فرشتوں کے سوال کرنے کے وقت مومنین کا حال	۲۲
۲۳	شفیق ممتحن	۲۳
۲۴	قبر میں حضور ﷺ کی زیارت ہوگی	۲۳
۲۵	بڑھاپے کے سبب بخشش	۲۴
۲۶	اُمید کی حقیقت	۲۵
۲۷	مؤمنین کے لئے بشارتیں	۲۶

۲۸	قبر میں سوال و جواب کے بعد مؤمنین کا حال	۲۷
۲۹	قبر میں فاسق کا حال	۲۸
۳۰	قبر میں کافر کا حال	۲۸
۳۱	ایمان کی قسمیں	۲۸
۳۲	نیک صحبت کا فائدہ	۲۸
۳۳	محقق کا فرشتوں کو جواب	۲۹
۳۴	سوال و جواب کے بعد جنت یا دوزخ کی کھڑکی کھل جائیگی	۳۰
۳۵	آیت کی تفسیر پر وارد اشکالات کا حل	۳۱
۳۶	صوفیاء کے نزدیک جنت جہنم کی تقسیم	۳۲
۳۷	خلاصہ وعظ	۳۳
۳۸	مضامین قرآن	۳۳
۳۹	صوفیاء کا ادب	۳۵
۴۰	کلمۂ طیبہ کی مثال کھجور کے درخت سے دینے کی وجہ	۳۵
۴۱	دنیا میں کوئی چیز نفع سے خالی نہیں	۳۶

۴۲	کھجور کے درخت اور کلمۂ طیبہ میں وجہ مماثلت	۳۶
۴۳	کلمۂ کفر کی مثال	۳۸
۴۴	کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کے اثرات	۳۸
۴۵	عقیدہ وعمل کی درستی اور اسکا طریقہ	۳۹
۴۶	تسبیح کا فائدہ	۳۹
۴۷	مراقبہ موت کا فائدہ	۴۰

وعظ

التثبیت بمراقبة المبیت

(مراقبہ موت کی ضرورت اور اس کا طریقہ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے خواتین کی درخواست پر یہ وعظ اپنے چھوٹے بھائی منشی محمد مظہر علی خان کے گھر واقع محلّہ محلت تھانہ بھون میں ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ کو کرسی پر تشریف فرما ہوکر دو گھنٹہ پینتالیس منٹ تک ارشاد فرمایا۔

مراقبۂ موت اور اس کی ضرورت و اہمیت کو بیان فرمایا محدّث کبیر علاّمہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا۔ یہ وعظ اپنی افادیت کے اعتبار سے ہر طبقہ کو مفید ہے۔

علاّمہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وعظ کی تسوید تفصیلی ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ کو شروع فرمائی اور ۲۹ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ کو اس کی تکمیل فرمائی۔

خلیل احمد تھانوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ ۟ۙ وَیَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ﴾ (۱)

مقصودِ بیان

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ایک خاص فضیلت بیان فرمائی ہے ایک خاص عمل کی اِس وقت مجھے اُس عمل کی فضیلت کا بیان کرنا بھی مقصود ہے لیکن اصل مقصود ایک دوسرا امر بیان (۲) کرنا ہے جو سوق کلام (۳) سے مقصود حق بھی معلوم ہوتا ہے یعنی مجھے ایک مراقبہ کا بیان کرنا زیادہ مقصود ہے۔

---

(۱) ’’اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اُس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں کو بچلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے‘‘ سورۂ ابراہیم: ۲۷ (۲) اصل مقصود ایک دوسرا حکم بیان کرنا ہے (۳) سیاق کلام کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے۔

مراقبہ میں آسانی یا مشقت

اور چونکہ اُس مراقبہ کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ ہر وقت کرنے کا ہے اس لئے وہ نفس پر گراں بھی ہوتا ہے کیونکہ نفس وقتی عمل کو تو آسان سمجھتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے کسی کام میں مقید ہو جائے اور ہر وقت کی قید کو نہایت دشوار سمجھتا ہے اگر چہ وہ مراقبہ فی نفسہٖ (۱) دشوار نہیں صرف ایک بات کا دھیان رکھنا ہے اور کسی بات کا دھیان رکھنا کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ کچھ سامان کرنا تھوڑا ہی پڑتا ہے مگر ہر وقت دھیان رکھنا بھی نفس کو گراں ہے ۔حق تعالیٰ جزائے خیر دے حکماءِ امت وفقہاءِ ملّت کو انہوں نے اس دشواری کو سہل کر دیا کہ اس کے لئے بھی انہوں نے ایک وقت مقرر کر دیا اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہ مراقبہ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں (۲) تو حکماء امت نے اس کو کس طرح مقید کر دیا؟ کیونکہ یہ تو عموم کی تخصیص ہے۔

جواب یہ ہے کہ حکماء نے عموم کی تحصیل ہی کے لئے یہ تخصیص کی ہے یعنی مقصود تو ان کا بھی یہی ہے کہ یہ مراقبہ ہر وقت ہو مگر ابتداء میں ہر وقت اس کا استحضار (۳) گراں ہوتا ہے اس لئے انہوں نے ایک وقت مقرر کر دیا جس سے یہ مراقبہ راسخ (۴) ہو جاتا ہے پھر رسوخ کے بعد خود بخود ہر وقت دھیان رہنے لگتا ہے غرض یہ تخصیص ابطال عموم کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی تحصیل واکمال (۵) کے لئے ہے خوب سمجھ لو بہر حال حکماءِ امت نے اس دشواری کو آسان کر دیا ہے' یہ بات اخیر میں بیان کرنے کی تھی مگر میں نے گھبراہٹ دفع (۶) کرنے کے لئے اس کو پہلے ہی بیان

---

(۱) اپنی ذات کے اعتبار سے وہ مراقبہ مشکل نہیں ہے (۲) جب اس مراقبے میں کسی وقت کی قید نہیں تو حکماء نے اس میں وقت کی قید کیسے لگائی (۳) اسکا دھیان کرنا مشکل ہوتا ہے (۴) پختہ ہو جائے گا (۵) اس مراقبہ کو وقت کے ساتھ خاص کرنے میں اس کے عموم کو باطل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل وتحصیل مقصود ہے (۶) گھبراہٹ دور کرنے کے لئے۔

کر دیا تا کہ سامعین مطمئن ہو کر سنیں کہ اُن کو کوئی دشوار بات نہ بتلائی جائے گی۔

ہر خبر سے مقصود انشاء ہے

اب اس کی تعیین سننا چاہئے کہ یہاں کونسا مراقبہ مقصود ہے اور گو حق تعالیٰ نے صراحۃً یہاں کسی مراقبہ کو ذکر نہیں فرمایا مگر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ یہاں صراحۃً تو کسی خاص عمل کے امر کا (۱) ذکر نہیں بلکہ محض ایک خبر مذکور ہے کہ حق تعالیٰ ثابت رکھتے ہیں ایمان والوں کو پکی بات کے ساتھ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ظالموں کو بچلا دیتے ہیں مگر اس پر علماء و مفسرین کا اجماع ہے کہ اخبار قرآنیہ سے محض خبر ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود کوئی انشاء (۲) ہوتا ہے اور اخبار قرآنیہ ہی کی کیا تخصیص ہے میرے نزدیک تو خبر من حیث هو خبر کسی عاقل کے کلام میں بھی مقصود نہیں ہوتی بلکہ عقلاء کو ہر جملہ خبریہ سے کوئی انشاء ہی مقصود ہوتا ہے اور جس جملہ خبریہ سے کوئی انشاء ہی مقصود نہ ہو وہ لغو ہوتا ہے۔

آیت میں جملہ خبریہ سے مقصود کیا ہے

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو یہاں خبر سے محض خبر مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ چونکہ ایسا ایسا ہونے والا ہے لہٰذا اس واقعہ سے ڈرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں یعنی ایمان والوں میں داخل ہونا چاہئے ظالمین میں سے نہ ہونا چاہئے۔ پس یہاں بھی تصریح تو اس کی ہے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کی یہ فضیلت ہے کہ دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ ان کو ثابت رکھتا ہے اور کافروں کی یہ مذمت ہے کہ ان کو بچلا (۳) دیتا ہے لیکن اس سے ایک مراقبہ کی طرف اشارہ بھی

---

(۱) کسی خاص کام کے کرنے کا (۲) جب کوئی خبر دی جاتی ہے تو اس سے مقصود کسی کام کا حکم دینا ہوتا ہے
(۳) ان کو پھسلا دیتا ہے۔

ہوگیا کہ اس وقت سے ڈرنا چاہئے جس میں کافر بچلیں گے اس لئے ایمان وعمل کا اہتمام کیا جائے۔

شبہ کا جواب

بظاہر اس آیت پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی ثابت رکھتے ہیں اور وہی بچلا دیتے ہیں تو الزام کس پر؟ اس کا جواب ﴿اَلظّٰلِمِیْنَ﴾ کے لفظ سے ہوگیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اس لئے اس کی نحوست سے بچل (۱) گئے یہ تو حکیمانہ جواب تھا اگر اس پر بھی کوئی شغب (۲) کرے تو آگے حاکمانہ جواب بھی دیدیا ﴿وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ﴾ کہ کسی کے باوا کا کچھ اجارہ (۳) نہیں جاؤ اللہ تعالیٰ جو چاہیں کرتے ہیں حکیمانہ جواب سے بعض دفعہ شوروشغب قطع نہیں (۴) ہوتا اس لئے حاکمانہ جواب بھی بیان فرمادیا اب سب کی زبانیں بند ہوگئیں یہ تو ترجمہ آیت کا تھا۔

عذاب قبر سے ڈرنے کا حکم

مگر اس سے وہ واقعہ معلوم نہیں ہوا جس کی نسبت تثبیت واضلال (۵) کی خبر دی گئی ہے اس کے لئے تفسیر کی ضرورت ہے اور قرآن کی تفسیر کہیں تو قرآن ہی سے ہوتی ہے اور کہیں حدیث سے اس آیت کی تفسیر حدیث سے معلوم ہوئی ہے حدیث کیا ہے ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کی شان یہ ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود		گرچہ از حلقوم عبداللہ بود (۶)

---

(۱) پھسل گئے (۲) شور مچائے (۳) کسی کے باپ کی حکومت اللہ پر نہیں (۴) حکیمانہ جواب سے بعض دفعہ اعتراضات ختم نہیں ہوتے (۵) ثابت قدم رہنے اور گمراہی میں مبتلاء ہونے کی خبر دی گئی (۶) ان کا فرمایا ہوا ارشاد اللہ ہی کا فرمایا ہوا ہے اگرچہ بات عبداللہ کی زبان سے ادا ہورہی ہے۔

اس لئے حدیث بھی بمنزلہ قرآن ہی کے ہے سو حدیث میں آچکا ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق ہے پس ثابت ہوگیا کہ یہاں عذاب قبر سے ڈرنے کا اوراس کے استحضار (۱) کا امر ہے۔

اشکال کا جواب

مگراس پر ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے اُس کا بھی جواب دیئے دیتا ہوں وہ یہ کہ یہ سورت مکی ہے اور احادیث صحاح (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو عذاب قبر کا علم مدینہ میں ہوا ہے پھر یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق کیونکر ہوسکتی ہے اگراس میں عذاب قبر کا ذکر ہوتا تو حضور ﷺ کو مکہ ہی میں اس کا علم ہوجاتا اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ اس سورت کی خاص اس آیت کو مدنی مانا جاوے مگر میں نے اس کو کہیں منقول نہیں دیکھا اس لئے میرے نزدیک دوسرا اسہل (۳) جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو تثبیت واضلال فی الاخرۃ کی تفسیر کا ایک جزو تو مکہ میں منکشف (۴) ہوگیا تھا یعنی قیامت میں حساب وکتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کفار کا بچلنا اور ایک جزو یعنی تثبیت واضلال فی القبر مدینہ میں منکشف (۵) ہوا کیونکہ آیت میں لفظ ﴿فی الاخرۃ﴾ وارد ہے اور آخرت دو ہیں ایک حقیقی یعنی قیامت اور ایک اضافی یعنی قبر پس مکہ میں آپ کو تثبیت واضلال فی الاخرۃ کا پہلا جزو منکشف ہوگیا جو قیامت کے متعلق تھا اور دوسرا جزو مدینہ میں منکشف ہوا یعنی عذاب ونعیم قبر پس اب آیت کے مکی ہونے اور عذاب قبر

(۱) اسکا ہر وقت دھیان رکھنے کا حکم ہے (۲) حدیث کی چھ مشہور کتابوں میں مذکور احادیث سے معلوم ہوتا ہے (۳) آسان (۴) حضور ﷺ کو آخرت میں ثابت قدم رہنے اور پھسل جانے کے بارے میں ایک جزو کا پتہ تو مکہ میں چل گیا تھا (۵) قبر میں مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کافروں کا ثابت قدم نہ رہنا اس کا حال مدینہ میں معلوم ہوا۔

کے متعلق نازل ہونے میں کچھ تنافی (۱) نہیں کیونکہ دراصل یہ آیت قیامت اور قبر دونوں کے متعلق تھی مگر مکہ میں آپ کو اس کا علم نہ تھا مدینہ پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ اس آیت میں عذاب قبر کا بھی ذکر ہے اور لفظ آخرت اُس کو بھی عام ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ سوال کرتے ہیں'' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی بہرحال حدیث سے اس کا عذاب قبر کے متعلق ہونا صراحۃً معلوم ہو رہا ہے اور اس پر جو اشکالات تھے وہ بھی سب رفع ہو گئے۔

آیت میں مذکور مراقبہ

اور یہ میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ اس خبر سے مقصود یہ ہے کہ اس واقعہ کو یاد رکھو اور اُس وقت کے لئے تیاری کرو۔ اس سے مقصود بیان کی تعیین بھی ہو گئی اور اس وقت میں نے اس مضمون کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ ہمارے اندر بڑا مرض یہ ہے کہ ہم اعمال میں سستی کرتے ہیں جس کا سبب غفلت عن الآخرۃ ہے (۲) اور اس کا علاج تذکرۂ آخرت ہے (۳) اسی کو میں مراقبہ کہتا ہوں چاہے مراقبہ کی صورت متعارفہ (۴) سے نہ ہو ویسے ہی چلتے پھرتے دھیان رکھا جائے مقصود یہ ہے کہ جو غفلت اعمال کی خرابی کا سبب ہو رہی ہے وہ دفع ہونا ضروری ہے (۵)۔

آخرت کی یاد سے غفلت کی وجہ

مگر باوجود ضروری ہونے کے اس میں بہت ہی کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کوتاہی کا ایک باریک سبب ہے اور یہ بات آج ہی میرے ذہن میں آئی ہے اور

(۱) کچھ خرابی نہیں (۲) آخرت سے غافل ہونا ہے (۳) آخرت کو یاد رکھنا (۴) مراقبہ کی جو شکل لوگوں میں معروف و مشہور ہے وہ نہ ہو (۵) غفلت کی وجہ سے اعمال میں کوتاہی ہے اس کو دور کیا جائے۔

اُسی کے بیان کے لئے میں نے یہ آیت اختیار کی ہے وہ یہ کہ جب لوگوں سے آخرت کی یاد کو کہا جاتا ہے تو ان کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ آخرت تو بہت دور ہے اس سے پہلے بہت سے واقعات پیش آنے والے ہیں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا دجال نکلے گا پھر آفتاب مغرب سے نکلے گا اُس کے بھی ایک مدت بُعد نفخ صور (۱) ہوگا اُس وقت یہ عالم فنا ہوگا پھر قرن کے قرن (۲) اسی حالتِ فنا میں گذر جائیں گے پھر دوسرا نفخ صور ہوگا تب کہیں قیامت آئیگی اس بُعد کی وجہ سے انسان آخرت کو اپنے ذہن میں نہیں آنے دیتا کہ یہ تو ابھی بہت دُور ہے اور اگر کسی کے ذہن میں خیال آتا بھی ہے تو اس بُعد کی وجہ سے اُس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوتا کیونکہ خطرۂ بعیدہ سے عادۃً تاثر کم ہوتا ہے چنانچہ اسی لئے عقلاء کا مقولہ مشہور ہے ۔

مترس ازبلائے کہ شب درمیان ست (۳)

اگرچہ فی الواقع یہ بات علی الاطلاق (۴) غلط ہے کیونکہ طبیعت کو مشوش (۵) کرنے کے لئے طبعًا دس رات کے بعد کی مصیبت بھی کافی ہے مگر شعراء وعقلاء کی طبیعت پر عمومًا ایسی بلا جس کے آنے میں زیادہ توقف ہو بہت گراں نہیں ہوتی اسی وجہ سے آخرت سے غفلت ہے اور غفلت کی وجہ سے لاپرواہی ہے چنانچہ اسی لاپرواہی کی وجہ سے بعض لوگ جب ان کو کسی گناہ پر ٹوکا جاتا ہے بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ جاؤ بس تم ہی جنت میں چلے جانا ہم دوزخ ہی میں چلے جائیں گے۔ یہ بات ان لوگوں نے اپنی طبیعت کے موافق کہی کیونکہ دنیا میں دیکھا

(۱) صور پھونکا جائے گا پھر دنیا ختم ہوگی (۲) کئی صدیاں (۳) اس مصیبت سے نہ ڈرو جس کے واقع ہونے کے درمیان میں ایک رات ہے (۴) علی الاطلاق اس لئے کہا کہ اگر اس بلا سے مراد بلائے دنیا ہو اور مقصود بیان اثر نہ ہو بلکہ تعلیم ہو قطع کامل کی تو یہ کلام صحیح اور مفید ہے ۱۲ ظ (۵) پریشان۔

جاتا ہے کہ بعض جرائم کے لئے تقادم عہد کو مسقط (۱) مانا گیا ہے اور شریعت میں بھی فی الجملہ اس کی رعایت ہے مگر یاد رکھو یہ حکم دنیا ہی میں ہے آخرت میں یہ قاعدہ نہیں کہ تقادم عہد سے جرم ساقط یا خفیف ہو جائے یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ آخرت کو دنیا پر قیاس کرتے ہیں پھر بُعد آخرت کی وجہ سے اپنے جرائم کو خفیف سمجھنے لگتے ہیں۔

ایک بے ہودہ خیال

بعض بیہودہ لوگوں کا یہ قول سنا گیا کہ آخرت میں تو ہزاروں لاکھوں سے بھی زیادہ مخلوق ہوگی ممکن ہے کہ اس ہجوم میں ہم بچ جائیں جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے کہ جس جرم میں ہزاروں شریک ہوں اس میں بعض لوگ گرفتاری سے بچ جاتے ہیں مگر یہ بھی وہی غلط قیاس ہے چنانچہ تھانہ بھون میں ایک صاحب نے کسی کے کیکر کاٹ لئے تھے ایک آدمی نے اُن سے کہا کہ میاں قیامت میں جب اترے پترے کُھلیں گے اُس وقت اس فعل کا انجام معلوم ہوگا تو اُس نے کس قدر بے ہودہ جواب دیا میں وہاں کہاں ملوں گا بے شمار مخلوق ہوگی کہیں چھپ رہوں گا یہ کلمہ بہت ہی سخت ہے گو اس پر کفر کا فتویٰ ہو یا نہ ہو غرض غفلت عن الآخرۃ سے یہ سب نتائج پیدا ہو رہے ہیں جس کے دفع کرنے کے لئے آخرت کی یاد بہت مفید ہے مگر اُس کا بُعد کوتاہی کا سبب ہو رہا تھا۔

آخرت کی اقسام

اس لئے آج یہ بات ذہن میں آئی کہ آخرت کی دو قسمیں ہیں ایک قریب ایک بعید تو اگر آخرت بعیدہ کا خوف نہیں تو آخرت قریبہ کا خوف تو ہونا چاہئے اور وہ موت ہے اور موت کچھ بعید نہیں کیونکہ سفر اور ریل اور گاڑی اور کھانا پینا اور

(۱) یعنی جرائم میں جرم پر زیادہ عرصہ گذر جانے کی وجہ سے اس کی سزا احکامِ دنیا کے یہاں کم کردی جاتی ہے۔

بیمار ہونا اور چلنا پھرنا یہ سب موت ہی کے اسباب ہیں اور ان کو کوئی بعید نہیں سمجھتا اس لئے آخرت بعیدہ کے مراقبہ سے غالباً موت کا مراقبہ زیادہ نافع ہوگا اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں لفظ ﴿فی الآخرۃ﴾ کی تفسیر قبر سے بھی وارد (۱) ہوئی ہے جس نے مراقبہ آخرت کو قریب کر دیا کہ آخرت صرف قیامت ہی کا نام نہیں بلکہ آخرت قبر ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں جانا کچھ دور نہیں تو اس کو ہی یاد کرلیا کرو۔

قرآن کریم میں مراقبات کی تعلیم

قرآن شریف میں ایسے اشارات بکثرت ہیں جن میں خاص مراقبات کی تعلیم کی گئی ہے اور ساتھ کے ساتھ ان کو نہایت قریب بھی کر دیا ہے چنانچہ ایک مقام پر حق تعالیٰ نے توحید کی تعلیم فرمائی ہے تو اس کے لئے ایک مراقبہ بتلایا ہے کہ مخلوقات الٰہیہ میں غور کیا کرو پھر ساتھ ہی اس مراقبہ کو قریب بھی کر دیا فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ﴾ (۲) ”کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس حکمت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اونٹ تو اہل عرب کے سامنے ہر وقت ہی رہتا ہے تو سب سے پہلے ایسی چیز کا مراقبہ بتلایا گیا جس کے استحضار میں کچھ بھی بُعد (۳) نہیں پھر آسمان کا مراقبہ بتلایا جو اونٹ پر سوار ہونے والے کے سامنے ہی ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے آسمان کو مدور (۴) پیدا کیا ہے اس لئے اس کے کنارے ذرا نگاہ اٹھانے سے فوراً نظر آجاتے ہیں پھر اونٹ پر سوار ہو کر عرب

---

(۱) آخرت کی تفسیر قبر سے بھی کی گئی ہے (۲) سورۂ غاشیہ: ۱۷ تا ۲۰ (۳) جس کا دھیان کرنے میں کوئی پریشانی اور دوری نہیں (۴) گول۔

کے میدان میں چلوتو ذرا دائیں بائیں دیکھنے سے پہاڑ ہی پہاڑ نظر آئیں گے تو آسمان کے بعد پہاڑ کا مراقبہ بتلایا کہ اس کی حکمتوں میں غور کرو اس کے بعد زمین کا مراقبہ بتلایا جو سوار کے نیچے ہوتی ہے جس پر منزل میں پہنچ کر آرام کرتے ہیں غرض اس ترتیب میں غور کرنے سے میرا مدّعا ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ مراقبات کو قریب کرنے کا بہت اہتمام فرماتے ہیں۔

موت اور قبر کا دھیان

اسی طرح آخرت کا مراقبہ ذرا بعید(۱) تھا حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بتلادیا کہ قبر بھی آخرت میں داخل ہے اس سے موت اور مابعدالموت کا مراقبہ بہت قریب ہوگیا کیونکہ قبر کیا چیز ہے یہی زمین تو ہے جس پر آپ روزانہ چلتے پھرتے ہیں جس میں موت کے بہت سے اسباب ہیں بعض دفعہ ٹھوکر لگ جانے سے موت آجاتی ہے چنانچہ ایسا ہوا ہے اور یہ بھی نہ سوچو تو یہی سوچ لو کہ ہم اسی میں ایک دن دفن ہونگے اس مراقبہ کو کر کے دیکھئے ان شاء اللہ غفلت دور ہوجائے گی اور اعمالِ صالحہ کا اہتمام دل میں پیدا ہوگا اول تو اس کا دھیان ہر وقت ہی کرنا چاہئے اور اگر ایسا نہ ہو تو کثرت تو ہونی چاہئے چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص مقدار میں اس کا دھیان کرلینا بھی کافی ہے حدیث میں ہے کہ ’’جو شخص بیس دفعہ روزانہ موت کو یاد کرلیا کرے اس کو شہادت کا ثواب ملے گا‘‘ پس ہر وقت نہ ہوسکے تو اس مراقبہ کی کثرت ہی ہو اور اگر موت کے بعد کا حساب و کتاب بھی یاد کرلیا کرو تو اور بھی اچھا ہے پھر اپنا سونا بھی آپ کو گراں ہوگا یہ مطلب نہیں کہ تم سونا چھوڑ دو گے بلکہ نیند کا آنا ناگوار ہوگا اور سونے کو جی نہ چاہے گا ہاں اگر حال غالب ہوگیا تو پھر یہ

(۱) ذرا دور تھا۔

بھی ہو جائیگا کہ نیند ہی نہ آسکے گی اس وقت تم سونے والوں سے یوں کہو گے ؎

چوں چنیں کارے ست اندر رہ ترا خواب چوں می آید اے ابلہ ترا (۱)

بعض بزرگوں کا حال

بعض اولیاء اللہ کو ایسا پیش آیا ہے روض الریاحین میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ رات کو بالکل نہ سو سکتے تھے اور یہ فرماتے کہ مجھے یہ آیت نہیں سونے دیتی: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُھَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ﴾ (۲) ان کی یہ حالت تھی کہ ذرا غنودگی آتی اور پھر گھبرا کر اُٹھ جاتے۔ یہ غلبۂ حال تھا اور اگر حال نہ ہوا یا حال ہوا مگر یہ شخص مغلوب نہ ہوا بلکہ غالب علی الحال رہا تو نیند آئے گی یہاں سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ انبیاء کو تو نیند آتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تمام رات کبھی نہیں جاگے کچھ حصہ ضرور سوتے تھے جواب یہ ہے کہ آپ مالک الحال تھے مملوک الحال نہ تھے (۳) مگر اس سے آپ خوش نہ ہوں کہ ہماری حالت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے ہم بھی تمام رات نہیں جاگتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم کو بھی نیند آتی ہے کیونکہ ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شِیر و شیر (۴)

---

(۱) جب راستہ میں پیش آنے والے مصائب کا تجھ کو علم ہے تو اے بے وقوف پھر تجھے نیند کیسے آتی ہے

(۲) ''اے ایمان والوں تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں'' سورۂ تحریم:۶ (۳) آپ حال پر غالب تھے مغلوب الحال نہ تھے (۴) نیک لوگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو جیسے شَیر (جانور) اور شِیر بمعنی دودھ لکھنے میں ایک سے ہوتے ہیں لیکن دونوں کی حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہے ایسے ہی بزرگوں میں اور تم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضور ﷺ کی نیند کا حال

کفار نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم میں اور رسول میں کیا فرق ہے ہم بھی کھاتے ہیں یہ بھی کھاتے ہیں یہ بھی سوتے ہیں ہم بھی سوتے ہیں مگر فرق یہ تھا کہ ایک بار ابوجہل بھی بت خانہ میں گیا تھا۔ اور حضور ﷺ بھی تشریف لے گئے تھے ابوجہل تو بتوں کے سامنے سجدہ میں گر پڑا اور حضور ﷺ کے سامنے خود وہ بت ہی سجدہ میں گر پڑے لہذا حضور ﷺ کی نیند کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ((تنام عيناى ولاينام قلبى)) کہ ''نیند میں میری آنکھیں ہی سوتی ہیں قلب نہیں سوتا'' اسی لئے سونے سے حضور ﷺ کا وضو نہ ٹوٹتا تھا۔

ایک اشکال کا جواب

اس پر شاید لیلۃ التعریس کے قصہ (۱) سے کسی کو شبہ ہوگا کہ جب آپ کا دل نہیں سوتا تھا تو پھر اُس واقعہ میں آپ کی نماز فجر کیوں قضا ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ روشنی صبح کا دیکھنا آنکھ کا فعل ہے قلب (۲) کا فعل نہیں مبصرات کا ادراک قلب کو بواسطہ بصر (۳) ہی کے ہوسکتا ہے اور اُس وقت آپ کی آنکھیں سو رہی تھی اس لئے صبح کا ادراک نہ ہوسکا۔

ایک شبہ کا جواب اول

اس پر پھر یہ اشکال ہوتا ہے کہ وقت کا اندازہ کرنا تو قلب کا فعل ہے پھر حضور ﷺ نے وقت کا اندازہ کیوں نہ کرلیا یہ اشکال اور اس کا جواب میں نے کہیں

(۱) ایک غزوہ میں صبح آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی نماز قضاء ہوئی تھی (۲) دل کا کام نہیں (۳) جن چیزوں کا تعلق دیکھنے سے ہے دل کو ان کا علم بذریعہ آنکھوں کے ہی ہوتا۔

منقول نہیں دیکھا یہ ابھی میرے قلب پر وارد[1] ہوا ہے اور جواب بھی حق تعالیٰ نے ساتھ ساتھ قلب میں ڈال دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قلب سے وقت کا اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ قلب کسی فکر اہم میں مشغول نہ ہو اور حضور ﷺ کا قلب اس وقت مشاہدۂ جمال الٰہی میں مشغول تھا اور کامل یکسوئی کے ساتھ اُدھر متوجہ تھا کیونکہ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے تھے اور آنکھیں بند کر کے قلب کو پوری یکسوئی ہوتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اس لئے وقت کا اندازہ بھی نہ ہوسکا۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب بہت ہی سہل یہ ہے کہ نوم عین (۲) سے مراد نعاس ہے اور نعاس میں بھی اندازہ پر قدرت نہیں ہوتی (قلت: والجواب الاصلی ماورد فی الحدیث انه کان من اللّٰه لیشرع لهم ای احکام القضاء فلم یکن صلی اللّٰه علیه وسلم نَسی بل قد نُسی ومانام بل قد نُوّم ۱۲ ظ)(۳)غرض حضور ﷺ کی نیند کو اپنی نیند پر قیاس نہ کرو آپ تو نیند میں بھی حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوتے تھے اور تم جاگتے ہوئے بھی غافل ہو

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا (۴)

موت کی یاد کا طریقہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہر وقت موت کا دھیان نہ ہوسکے تو کثرت سے تو ہونا

(۱) یہ سوال ابھی ابھی دل میں آیا ہے (۲) آنکھوں کے سونے سے مراد اونگھ ہے (۳) ’’میں کہتا ہوں کہ اصلی جواب وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا تا کہ قضاء نمازوں کے احکام بتائے جائیں پس رسول اللہ ﷺ بھولے نہیں بھلائے گئے سوئے نہیں بلکہ سلائے گئے‘‘ فقط ۱۲ ظفر احمد عثمانی (۴) اس فرق میں غور کرو آپ کہاں ہم کہاں۔

چاہئے جس کی ایک مقدار حدیث میں بھی وارد ہے کہ بیس دفعہ موت کو یاد کرلیا کرے مگر یاد کے یہ معنیٰ نہیں کہ موت موت کا وظیفہ پڑھ لیا کرو بلکہ یہ سوچ لو کہ اپنے دوست کو کس طرح یاد کیا کرتے ہیں اس طرح کوئی یاد نہیں کرتا کہ اُس کے نام کا وظیفہ پڑھ لے زید زید زید بلکہ دوست کا یاد کرنا یہ ہے کہ اس کی صورت وسیرت کا تصور کرے اس کی باتوں کو یاد کرے اسی طرح موت کی یاد یہ ہے کہ اس وقت جو باتیں پیش آئیں گی ان کو ذہن میں حاضر کرے جس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی۔

قبر میں فرشتوں کا سوال وجواب

مثلاً حدیث میں ہے کہ دفن کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مردہ کا اچار ڈال لو اور دفن نہ کرو تو یہ فرشتے نہ آئیں گے بعضے اسی خیال میں ہیں چنانچہ ایک جاہل دیندار نے مکہ میں یہ وصیت کرنے کا ارادہ کیا کہ میری لاش کو دفن نہ کیا جائے بلکہ ایک پہاڑ پر رکھ دیا جائے تاکہ سوال قبر نہ ہو میں نے کہا سبحان اللہ کیا آپ قبر اس گڑھے کو سمجھتے ہیں کہ اس میں اگر دفن نہ کیا جائیگا تو قبر کے معاملات ہی بند ہوجائیں گے بلکہ قبر تو عالمِ برزخ کا نام ہے جس میں انسان اس عالم سے منتقل ہوکر پہنچتا ہے چاہے دفن ہو یا نہ ہو غرض فرشتے تو وقت کی ایک معین مقدار کے بعد آجاتے ہیں گو اس وقت غسل ہی ہورہا ہو یا نماز ہی ہورہی ہو وہ اپنا کام شروع کردیتے ہیں اور تمام سوالات وجوابات روح سے ہوتے ہیں اور اس وقت روح کو اس جسم عُنصری سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا لباس سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہماری رضائی چھین کر آگ میں جلادے تو گو ہم متالّم ومحترِق نہیں

ہوتے (۱) مگر ہم کو ناگوار ہوتا ہے باقی روح کو زیادہ تعلق مرنے کے بعد جسم مثالی سے ہوتا ہے جو اس جسم عنصری کے علاوہ دوسرا جسم ہے جس کے ماننے سے بہت سے اشکالات رفع ہوتے ہیں ضغطۂ قبر (۲) وغیرہ سب باتیں اُسی جسم مثالی سے ہوتی ہیں۔

سماعِ موتٰی

غرض مردہ میں موت کے بعد بھی برزخی حیات ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ میت کو قرعِ نعال (۳) کی آواز آتی ہے اور جو کوئی عزیز وقریب اس کی قبر پر آتا ہے اُسے پہچانتا بھی ہے گو معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے مگر احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صراحۃً یہ امر منقول نہیں اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب عدم سماع موتی کو مستلزم ہے وہ یمین (۴) کا مسئلہ ہے جس کا مبنی عُرف پر ہے اس لئے امام صاحب کا کلام اس بارہ میں صریح نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ فقہاء متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ عوام کے عقائد سماع موتی کے مسئلہ سے خراب ہوتے ہیں اس لئے انتظام عوام کی غرض سے اس کا انکار کر دیا ہو۔ تو ممکن ہے کہ اُن فقہاء کو بھی صحت سماع موتی کا علم ہو مگر عوام کی اصلاح کے لئے مصلحۃً انکار کیا ہو (فیکون مما یعلم ولا یفتی به وله نظائر فی الفقه ۱۲ظ) (۵)

---

(۱) اگرچہ ہمیں درد نہیں ہوتا اور نا ہی ہم جلتے ہیں (۲) قبر کے دبانے وغیرہ کا جو ذکر حدیث میں آیا ہے وہ اس جسم مثالی ہی کے ساتھ ہوتی ہیں (۳) جوتوں کی کھٹ کھٹ کی آواز (۴) قسم کا مسئلہ ہے (۵) ''پس اس صورت میں یہ ان مسائل میں سے ہوگا جس کو وہ جانتے تھے لیکن اس پر فتویٰ نہیں دیتے تھے' اور اس کی فقہ میں بہت سی مثالیں ہیں'' ۱۲ظ۔

واقعی اس مسئلہ کی وجہ سے عوام کے عقائد یہاں تک بگڑ گئے ہیں کہ اب لوگ مردوں سے حاجات مانگتے ہیں کوئی اُن سے اولاد مانگتا ہے بھلا اُنکے پاس اولاد کہاں کیا وہ پلا پلایا بچہ تمہاری گود میں دیدیں گے جیسا بچپن میں میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ بچے دائی کے گھر میں جمع رہتے ہوں گے وہ لاکر عورتوں کو دیدیتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ مردوں سے اولاد مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے لئے دعا کردیں گے تو پہلے اس کا ثبوت دو کہ وہ اس وقت خاص تمہارے مطلوب کے لئے دعا کرنے کے ماذون بھی ہیں غرض موت کو تفصیل کے ساتھ یاد کرنا چاہئے۔

فرشتوں کے سوال کرنے کے وقت مؤمنین کا حال

اور حدیث میں آتا ہے کہ ''اے عمر (رضی اللہ عنہ) اُس وقت کیا حال ہوگا جبکہ قبر میں دو فرشتے گرجتے اور برستے آئیں گے'' مگر مومن اس سے گھبرائے نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کرکے اطمینان کرلیا ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت ہماری عقل بھی درست ہوگی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ((نعم کھیئتکم الیوم)) یعنی تم جیسے اس وقت ہو ایسے ہی اُس وقت عاقل ہوگے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ پھر کچھ خطرہ نہیں ان شاء اللہ سمجھ کر صحیح جواب دیدیں گے (شرح الصدور) دوسرے مومن کے ساتھ عنایت حق ہوگی چنانچہ اسی آیت میں ارشاد ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ جب حق تعالیٰ ہی کو تمہیں پاس کرنا منظور ہے پھر گھبرانا کاہے کا۔

شفیق ممتحن

کیونکہ جب ممتحن کو پاس کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ مضمون کی تقریر خود کر کے طالب علم سے پوچھتا ہے کہ تمہارا یہی مطلب ہے وہ کہہ دیتا ہے جی ہاں بس پاس ہوگیا' مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ امتحان یہی تھا مولانا بہت کم کسی کو فیل کرتے تھے بس جہاں طالب علم نے گڑ بڑ کی اور مولانا خود مطلب بیان کر کے فرماتے کہ تمہارا یہی مطلب ہے جس کو پوری طرح ادا نہیں کر سکے وہ کہتا جی ہاں اور مولانا اُس کو پاس کر دیتے اسی طرح مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت سہل امتحان لیا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ممتحن کو اپنے درجے اور طالب علم کے درجہ کے تفاوت (۱) میں غور کر کے سوال کرنا چاہئے اور اُسی درجہ کے جواب کا منتظر رہنا چاہئے بعض ممتحن طلباء سے ایسے سوالات کرتے ہیں جو مدرسین سے کرنے چاہئیں یہ بہت ظلم ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا تھا کہ مولانا کی طبیعت میری مرضی موافق ہے وہ یہی بات تھی کہ مولانا ہر شخص سے اس کی فہم کے موافق معاملہ کرتے تھے اور طبیعت میں رحمت ورأفت کا مادہ (۲) بہت زیادہ تھا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی اطلاع جب مولانا کو پہنچی تو بہت مسرور ہوئے بہرحال جب دنیا میں شفیق ممتحن کے امتحان سے پریشانی نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ کے امتحان سے کیوں پریشان ہوتے ہو مطمئن رہو کیونکہ حق تعالیٰ سب سے زیادہ رحیم وکریم ہیں وہ تم کو پاس ہی کر دیں گے۔

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی

دوسری بات تسلی کی ایک اور ہے جو ظنی ہے وہ یہ کہ جب فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) فرق (۲) نرمی اور شفقت بہت تھی۔

کی نسبت یہ سوال کریں گے ((مَنْ هٰذَا الرَّجُل)) یہ حضرت کون ہیں؟ تو بعض اہل محبت کا قول ہے کہ اس وقت حضور ﷺ کی قبر مبارک سے مومن کی قبر تک سب حجابات اٹھ جائیں گے اور ھذا سے جو کہ اشارہ حسیہ کے لئے ہے حضور ﷺ کی ذات مبارکہ محسوسہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ حدیث کے اس محمل کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک نکتہ بھی فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضور ﷺ کے سامنے مرتے اور حضور ﷺ ہمارے جنازہ کی نماز پڑھتے مگر یہ تو بعض حکمتوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا تو اب کیا عجب ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں آپ کی زیارت ہوگی پھر یہ شعر پڑھا ؎

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدیںساں بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد (۱)

گو یہ بات قطعی نہیں مگر ظن کے متعلق بھی حدیث قدسی میں آیا ہے ((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ)) کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں پھر کیوں نہ گمان رکھا جائے صاحب بعض دفعہ ہنستے ہنستے ہی گھر بس جاتا ہے پس تم امید رکھو کہ ان شاء اللہ قبر میں حضور ﷺ کی زیارت ہوگی خدا تعالیٰ اس گمان کو پورا کردیں گے۔

بڑھاپے کے سبب بخشش

قاضی یحییٰ بن اکثم شیخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو حق تعالیٰ نے اُن سے پوچھا (یا شیخ السوء ما عملت لنا) ’’اے بُرے بوڑھے تونے ہمارے واسطے کیا عمل کیا ہے‘‘ قاضی یحییٰ خاموش ہوگئے حق تعالیٰ نے فرمایا بولتے کیوں نہیں ہو عرض کیا یا اللہ میں ایک سوچ میں ہوں پوچھا کیا سوچ ہے عرض کیا میں نے یہاں کا حال تو اور

(۱) میرے عشق میں ایسی کشش ہے جو تمہیں چین نہیں لینے دے گی اگر میرے جنازے پر نہ آئے تو مزار پر آنا پڑیگا۔

طرح کا سنا تھا ارشاد ہوا کیا سنا تھا عرض کیا: ((حدثنا فلان عن فلان عن فلان قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم)) سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کا لحاظ فرماتے ہیں اور میں اس وقت معاملہ اس کے خلاف دیکھ رہا ہوں اب مجھے یہ سوچ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا راویوں نے غلطی کی حکم ہوا کہ جاؤ تمہارے سب راوی سچے اور میرا حبیب بھی سچا آج ہم تم کو محض بڑھاپے ہی کی وجہ سے بخشتے ہیں'' (یہ واقعہ کسی بزرگ کو قاضی یحییٰ اکثم کے انتقال کے بعد مکشوف ہوا ہوگا یا کسی نے ان کو خواب میں دیکھا ہو اور انہوں نے بیان کیا ہو ۱۲ظ) تو حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کا یہ نفع ہوا کہ قاضی یحییٰ کو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مغفرت کی امید تھی حق تعالیٰ نے ان کا یہ گمان پورا کردیا اسی طرح اگر ہم یہ امید رکھیں کہ قبر میں حضور ﷺ کی زیارت ہوگی تو یہ گمان بھی ان شاء اللہ پورا ہوگا اور یہ ایسی خوشی کی بات ہے کہ اس کا خیال کرکے تو مسلمانوں کو قبر میں جانے کا شوق پیدا ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کے ساتھ ہر مسلمان کو سب سے زیادہ محبت ہے۔

اُمید کی حقیقت

لیکن یہ یاد رکھو کہ ایک تو توقع ہے اور ایک دھوکا ہے اگر اسباب جمع کرکے امید ہو وہ تو توقع ہے اور بدون اسباب (۱) کے امید ہو تو دھوکا ہے جیسے نکاح کے بعد اولاد کی تمنا کرنا تو توقع ہے اور بدون نکاح کے اس کی تمنا کرنا محض دھوکا ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ)) میں دراصل اسباب کی تعلیم ہے کیونکہ عادۃً اسباب ہی سے ظن (۲) پیدا ہوتا ہے بدون اسباب

(۱) بغیر اسباب (۲) امید ہوتی ہے۔

کے امید نہیں ہوتی ہاں کسی زن کو[1] ہو جائے تو اور بات ہے۔

مومنین کے لئے بشارتیں

بہر حال مؤمن کو احوال و اہوال آخرت سے خوف تو رکھنا چاہئے اور اعمال میں کوشش کرنا چاہئے مگر پریشان نہ ہونا چاہئے اُس کے لئے تسلی کی بہت چیزیں ہیں چنانچہ قبر کے متعلق تو اوپر گذر چکا پھر قیامت میں جب قبروں سے نکلیں گے اُس وقت فرشتے آ کر طرح طرح کی بشارتیں سنائیں گے (لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ط ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ))(۲) یعنی ''مسلمانوں کو قیامت کی بڑی گھبراہٹ پریشان نہ کریگی اور فرشتے اُن کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے کہ) یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (کہ اس دن تم کو طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہونگی ۱۲ ظ)'' ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ط نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ o﴾ (۳) یعنی جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے (یعنی اسلام ہی پر مرے ۱۲ ظ) اُن پر فرشتے نازل ہوں گے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ موت کے وقت بھی ہوتا ہے اور قیامت میں بھی ہوگا پھر وہ فرشتے یوں کہیں گے کہ تم نہ (آئندہ ضرر کا) اندیشہ کرو نہ (کسی حاصل شدہ

---

(۱) بطور لطیفے کے کہا ہے کہ کسی عورت کو امید ہو تو اور بات ہے (۲) سورۂ انبیاء:۱۰۳ (۳) سورۂ حم السجدہ:۳۰ تا ۳۲۔

نفع کے فوت ہونے کا) رنج کرو اور اُس جنت کی خوشخبری حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے رفیق تھے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (رفیق رہیں گے) اور تمہارے لئے آخرت میں وہ چیز بھی ہے جس کی تم کو خواہش ہے اور وہ بھی ہے جس کی تم درخواست کرو اور یہ بطور مہمانی کے ہے پروردگار بخشنے والے مہربان کی طرف سے'' غرض مرتے وقت بھی اور قیامت میں بھی فرشتے اس طرح بشارتیں سنا سنا کر مؤمن کو مطمئن کریں گے اور میدان حشر میں مسلمانوں کے لئے عرش کا سایہ ہوگا اور گو قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا لیکن حدیث میں آتا ہے کہ مومن کو ایسا معلوم ہوگا جیسے نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک کا وقت معلوم ہوا کرتا ہے اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

عاشقان را با قیامت روز محشر کار نیست عاشقاں را جز تماشاے جمال یار نیست[1]

عشاق کے لئے تو میدان حشر ایک تماشا گاہ ہوگا اُن کو کچھ پریشانی نہ ہوگی یہ واقعات قبر کے بعد ہوں گے۔

قبر میں سوال وجواب کے بعد مومن کا حال

غرض مسلمان تو قبر میں ٹھیک ٹھیک جواب دے دیگا جس پر فرشتے کہیں گے کہ تم سے ہم کو یہی امید تھی کہ تم صحیح جواب دو گے اس کے بعد ایک کھڑکی جنت کی طرف کھولدی جائے گی اور مومن سے کہا جائیگا ((نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ))[2] کہ ''تم عروس کی طرح سو رہو'' جس کو بجز محبوب کے اور کوئی نہیں جگایا کرتا۔

(۱) عاشقانِ الٰہی کو قیامت کے ساتھ اور روزِ محشر کے ساتھ کوئی سروکار نہ ہوگا بلکہ عاشقان الٰہی کو فقط محبوبِ حقیقی کے جمال کا انتظار رہوگا (۲) دلہن کی طرح سو جاؤ۔

قبر میں فاسق کا حال

اور اگر مردہ مؤمن فاسق ہو تو اس کی بابت علماء نے کہا ہے کہ احادیث میں کچھ تصریح نہیں اب یا تو مقائسہ کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے کہ اعتقاد میں مؤمن کے مشابہ ہے اور عمل میں کفار کے مشابہ ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی قبر میں بین بین ہوگا اور یا ظن رحمت سے اس کو مومن کا فر(۱) قرار دے کر پہلی صورت میں داخل کیا جائے میں کہتا ہوں کہ امید ہی کیوں نہ رکھی جائے۔

قبر میں کافر کا حال

پھر جب فرشتے کافر سے سوال کریں گے تو وہ کہے گا ھَـــا ھَـــا لا ادری افسوس میں کچھ نہیں جانتا اس پر فرشتے اس کو گرزوں سے ماریں گے اور کہیں گے ((لادریت ولا تلیت)) کہ نہ تو نے خود سمجھا نہ کسی کے اتباع سے ایمان اختیار کیا۔

ایمان کی قسمیں

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک تحقیقی ایک تقلیدی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی حقیقت پوری طرح معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے دین پر ہیں یہ ایمان تقلیدی ہے یہ بھی معتبر ہے۔

نیک صحبت کا فائدہ

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ حضرت

(۱) نافرمان مسلمان۔

غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی جب مرا اور اس سے قبر میں سوال ہوا کہ ((من ربك وما دينك)) تو اس نے جواب دیا کہ حضور میں تو بڑے پیر کا دھوبی ہوں (مطلب یہ تھا کہ جو مذہب ان کا ہے وہی میرا ہے ۱۲ ظ)(۱) اس پر فرشتوں نے اُسے ہنس کر چھوڑ دیا کہ یہ تو بڑے شخص کا آدمی ہے اور اس پر کچھ اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے مقتدی کہا کرتا ہے کہ جو نیت امام کی وہی میری اور اس سے نماز صحیح (۲) ہو جاتی ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے آتے ہوئے حج کا احرام اس طرح باندھا تھا ((اَهْلَلْتُ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت کو معتبر سمجھا اسی طرح ایمان میں بھی تقلید صحیح ہے۔

محقق کا فرشتوں کو جواب

غرض انسان یا تو محقق ہو تب کامیابی ہے یا کسی محقق کا مقلد ہو اگر محقق ہوا تو وہ ایسا جواب دیگا کہ فرشتے بھی دنگ رہ جائیں گے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا اور قبر میں فرشتوں نے سوال کیا کہ ((من ربك وما دينك)) تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد کو دونگی پہلے تم میرے سوال کا جواب دو کہ تم کہاں سے آ رہے ہو کہا آسمان سے پوچھا آسمان وزمین میں کتنا

(۱) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دین وایمان کو جانتا نہ تھا بلکہ اس جانے ہوئے کی یہ ایک سادہ تعبیر تھی جیسا کسی صحیفہ میں سب عقائد لکھے ہوں اور کوئی شخص اس کو سمجھ کر کہے کہ میرے یہ عقائد ہیں وہ کافی ہے ۱۲ ظ

(۲) مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ میں امام کی نماز میں اقتداء کرتا ہوں تو یہ نیت صحیح ہے اور جس کو غیر صحیح لکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں امام کی اقتداء کرتا ہوں اور یوں نہیں کہا کہ اس کی نماز میں اقتداء کرتا ہوں وجہ یہ کہ پہلی صورت میں نماز کی تعیین نہ ہوئی کہ فرض ہے یا نفل اور اقتداء میں دونوں احتمال ہیں کیونکہ متنفل کی اقتداء بھی مفترض کے پیچھے جائز ہے اور دوسری صورت میں تعیین ہوگئی کیونکہ امام کی نماز فرض ہے اور اس نے بھی کہا ہے کہ اس کی نماز میں اقتداء کرتا ہوں تو ایسا ہو گیا جیسے یوں کہے کہ فرض نماز میں اقتداء کرتا ہوں کذا فی الدر المختار ورد المحتار ۱۲ ظ۔

فاصلہ ہے کہا پانچ سو برس کی مسافت ہے فرمایا تم خدا تعالیٰ کو تو نہیں بھولے کیونکہ بہت دور سے آرہے ہو فرشتوں نے کہا ہم تو خدا تعالیٰ کو تو نہیں بھولے فرمایا جب تم اتنی دور سے چل کر بھی نہیں بھولے تو کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ رابعہ زمین سے سے چار گز نیچے آکر خدا تعالیٰ کو بھول گئی ہوگی حالانکہ زمین پر ایک ساعت بھی میں اُس سے غافل نہیں رہی یہ سن کر فرشتے متعجب رہ گئے۔ یہ مقام ناز ہے جس کے آگے فرشتے بھی نہیں چل سکے اسی کو عارف فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں	که ناز بر فلک وحکم برستاره کنم (۱)

اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست	گویم آنکس کہ ربودایں دل دیوانۂ ما (۲)

یہ بھی حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ہی کے قول کے مثل ہے۔

سوال و جواب کے بعد جنت یا دوزخ کی کھڑکی کھل جائے گی

غرض کافر چونکہ ایمان تحقیقی وتقلیدی دونوں سے محروم ہے اس لئے فرشتے اس کو قبر میں عذاب دیں گے اور دوزخ کی کھڑکی کھولدیں گے اور وہ یہ سمجھے گا کہ قیامت میں اس میں داخل ہونا ہوگا اور مؤمن کے لئے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائیگی اور وہ یہ سمجھے گا کہ قیامت کے دن اس میں داخل ہونا ہوگا اس لئے مسلمان جنت کو دیکھ کر قیامِ ساعت (۳) کی تمنا کریگا اور کافر دوزخ کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ قیامت کبھی نہ آوے اُس کے عذاب سے تو قبر ہی کا عذاب اہون (۴) ہے۔ واللہ اعلم

(۱) میں میکدہ کا فقیر ہوں لیکن جب مست ہوتا ہوں تو آسمان پر ناز اور ستاروں پر حکم چلاتا ہوں (۲) اگر منکر نکیر آکر مجھ سے سوال کرے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو میں کہوں گا کہ وہ جس نے مجھے یہ دیوانہ دل دیا (۳) قیامت قائم ہونے کی خواہش کریگا (۴) ہلکا ہے۔

آیت کی تفسیر پر وارد اشکالات کا حل

اب یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق تو ہے لیکن اس میں تثبیت کا وعدہ دنیا اور آخرت دونوں کے بارے میں ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ اب سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو اس پوری آیت کی تلاوت فرما کر عذابِ قبر کے متعلق فرمایا ہے تو آپ نے معاملۂ قبر کو حیاۃِ دنیا میں داخل فرمایا یا آخرت میں؟ سو احتمال دونوں طرف ہے قبر کو حیاتِ دنیا میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دوسرا احتمال تو محتاج تاویل نہیں کیونکہ موت سے حیاتِ دنیا منقطع (۱) ہوجاتی ہے اس لئے مابعد الموت حیات دنیا میں داخل نہیں بلکہ وہ آخرت میں داخل ہونی چاہئے البتہ پہلا احتمال محتاج تاویل ہے اس پر کہہ سکتے ہیں کہ گو موت سے حیاتِ دنیا منقطع ہوجاتی ہے مگر حیات اُخرویہ بھی شروع نہیں ہوتی کیونکہ حیات اُخرویہ وہ ہے جبکہ یہی جسد عنصری (۲) دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ قیامت میں ہوگا قبر میں جسد عنصری زندہ نہیں ہوتا گو روح کو اس سے تعلق رہتا ہے پس گو موت کے بعد انسان کو نہ حیات اُخرویہ حاصل ہوتی ہے نہ حیات دنیویہ بلکہ حیاتِ برزخیہ ہوتی ہے مگر حیات برزخیہ کو حیات دنیا سے بہ نسبت آخرت کے قرب زیادہ ہے اس لئے حکماً وہ حیاتِ دنیا میں داخل ہوسکتی ہے لیکن یاد آیا درمنثور میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ﴿فی الآخرۃ﴾ کی تفسیر عذاب قبر سے فرمائی ہے اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی نہ دوسرا احتمال رہا البتہ ایک اور اشکال وارد ہوگا وہ

---

(۱) دنیاوی زندگی ختم ہوجاتی ہے (۲) یہی عناصرِ اربعہ سے مرکب جسم دوبارہ زندہ ہوگا۔

یہ کہ ایک حدیث میں آتا ہے ((اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ جَھَنَّمِ النَّارِ) کہ ''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے'' حالانکہ دخولِ جنت یا دخولِ نار قیامت کے بعد ہوگا عالم برزخ میں دخولِ جنت ونار نہ ہوگا اس کا ایک جواب تو علماء نے دیا ہے وہ یہ کہ برزخ میں جو مسلمانوں کو راحت اور کفار کو عذاب ہوگا حضور ﷺ نے اس کو نعیم جنت اور عذاب جہنم سے تشبیہ دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو برزخ میں ایسی راحت ہوگی کہ گویا وہ جنت کے باغ میں ہیں اور کفار کو ایسی تکلیف ہوگی کہ گویا جہنم کے گڑھے میں ہیں۔

صوفیاء کے نزدیک جنت جہنم کی تقسیم

اور صوفیاء نے یہ کہا ہے کہ جنت وجہنم دو ہیں ایک حقیقی اور ایک مثالی اگر اس قول کو مان لیا جائے تو پھر اس حدیث میں تاویل نہ کرنا پڑے گی صوفیاء کہتے ہیں کہ قبر میں مومن کے لئے جس جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائے گی وہ جنت مثالیہ ہے اسی طرح کافر کے لئے جس جہنم کی طرف کھڑکی کھلے گی وہ بھی مثالی جہنم ہے پھر قیامت کے بعد حقیقی جنت وجہنم میں دخول ہوگا اور یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مومن اور کافر کے لئے جنت وجہنم میں داخل ہونے کے بعد تو پھر خروج نہ ہوگا پھر مسلمان اور کفار اس جنت مثالیہ وجہنم مثالیہ سے قیامت کے دن کیونکر نکلیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ عدمِ خروج وغیرہ یہ احکام جنت وجہنم حقیقیہ کے ہیں مثالیہ کے یہ احکام نہیں اس سے خروج ہوسکتا ہے بلکہ صوفیاء نے تو یہ کہا ہے کہ دنیا میں بھی کفار کو جہنم اور مومنین کو جنت محیط ہے کیونکہ اعمالِ سیۂ جہنم ہیں اور اعمالِ صالحہ جنت ہیں اور حقیقی جنت ودوزخ کا ثواب وعذاب انہی اعمال کی صورت جوہریہ ہیں بس

دنیا میں بھی ہر شخص یا جنت میں ہے یا دوزخ میں مگر حال کے بعد تو یہ احاطہ معلوم ہوسکتا ہے بدون حال کے اس احاطہ کا ادراک دشوار ہے بس اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ ہم کو معاصی سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جن کا سبب غفلت عن الآخرۃ ہے اور غفلت کا علاج تذکر ہے (۱) اور تذکرآخرت کا سہل طریقہ موت کو یاد کرنا ہے پس ہم کو غفلت دور کرنے کے لئے موت کو یاد کرنا چاہئے اور یاد کرنے کا طریقہ بھی میں نے بتلا دیا کہ صرف موت موت کا ورد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو باتیں موت کے متعلق وارد ہیں کہ دفن کے بعد فرشتے قبر میں آئیں گے اور اس طرح سوال و جواب ہوگا اس کا تصور کیا جائے اگرچہ یہ مراقبہ ہر وقت کرنے کا ہے مگر حکماءِ امت نے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کردیا ہے تاکہ تعیین وقت سے کام میں سہولت ہوجائے اچھا وقت اس کے لئے سونے کا وقت ہے کیونکہ ((اَلنَّوْمُ اَخُوالْمَوْتِ)) سونا بھی موت کے مشابہ ہے تو سوتے وقت ہم کو یاد کرنا چاہئے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جب کہ ہم بہت لمبی نیند سوئیں گے جس کے بعد قیامت سے پہلے اٹھنا ہی نہ ہوگا۔ روزانہ سوتے ہوئے اس کو یاد کرنا چاہئے تاکہ ہم کو قول ثابت کی برکتیں حاصل ہوں۔

مضامینِ قرآن

رہا یہ کہ قول ثابت سے مراد کیا ہے اس کی برکتیں کیا ہیں اس کو قرآن ہی

(۱) آخرت سے بے پرواہی اور اس کا علاج آخرت کی یاددہانی کرنا ہے۔

سے معلوم کرو چنانچہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اسمیں توحید کا ذکر ہے اس میں حق تعالیٰ نے کلمۂ توحید و کلمۂ کفر کی مثال بیان فرمائی ہے صاحبِ تفسیر (یعنی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ تمام قرآن تین مضمونوں کی شرح ہے توحید و رسالت و معاد یہ قول مجھے بہت ہی پسند آیا اس کا لحاظ کر لینے سے تمام قرآن مرتبط (۱) معلوم ہوتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں ایک توحید حالی دوسرے حقوق شیخ واقعی عجیب خلاصہ ہے جس کے بعد تمام مثنوی مرتبط معلوم ہوئی ہے غرض اوپر کی آیات میں توحید کا ذکر ہے فرماتے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾(۲) اس میں کلمہ طیبہ کی مثال بیان فرمائی ہے جس سے مراد لا اله الا اللّٰہ ہے حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اور محمد رسول اللّٰہ اس کے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیونکہ متبوع کے ساتھ تابع کا ہونا لازم ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گذرے ہیں اور جو فضائل ایمان کے ہیں وہ ان کے لئے بھی ثابت ہیں اور لا اله الا اللّٰہ کا قرین (۳) ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لا اله الا اللّٰہ کے ساتھ نوح نبی اللّٰہ کہتا تھا کوئی ابراهیم خلیل الله کہتا تھا کوئی موسی کلیم الله کوئی عیسی روح الله اور ہم محمد رسول الله کہتے ہیں تو یہ جملہ متبدل ہے اور لا الـــه الا الـلّٰــــہ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان مشترک ہیں اس لئے

---

(۱) سارے قرآن کی ایک آیت دوسری آیت سے مربوط معلوم ہوتی ہے (۲) ''کیا آپ کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جاری ہوں'' سورۂ ابراہیم: ۲۴ (۳) کلمہ کا دوسرا حصہ ہر امت میں بدلتا رہا۔

اکثر احادیث میں لا الہ الا اللّٰہ پر اکتفا کیا گیا ہے باقی مطلب وہی ہے کہ لا الہ الا اللہ مع اپنے قرین کے جو ہر امت مسلمہ کے لئے الگ الگ ہے۔

صوفیاء کا ادب

اور صوفیاء کا ادب دیکھئے کہ وہ جب اپنے مریدوں کو ذکر لا الہ الا اللّٰہ کی تعلیم کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللّٰہ کا ذکر تو اتنی مقدار میں کیا کرو دوسو یا پانچ سو دفعہ اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ بھی کہہ لیا کرو یہ نہیں بتلاتے کہ ہر دفعہ پورا کلمہ کہا کرو اس طرح انہوں نے تابع و متبوع دونوں کا حق ادا کر دیا۔

کلمۂ طیبہ کی مثال کھجور کے درخت سے دینے کی وجہ

تو فرماتے ہیں "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمۂ طیبہ کی وہ مشابہ ہے شجرہ طیبہ پاکیزہ درخت کے" شجرۂ طیبہ سے مراد شجرۂ نخلہ ہے اسکو مثال کے لئے یا تو اس واسطے خاص کیا کہ اہل عرب کے نزدیک وہ اطیب الاشجار (۱) ہے مگر میرے نزدیک حقیقت میں وہ عرب و عجم سب میں اطیب شجرہ ہے ایک تو اس کی پیدائش سہل ہے (۲) بعض دفعہ تو خود ہی اُگ آتا ہے چنانچہ سینکڑوں درخت کھجور کے خود رو موجود ہیں پھر اسکی خدمت کی جائے تو اس کا پھل نہایت عمدہ اور لذیذ ہے پھر اس کی کوئی چیز ضائع نہیں ہر اک میں منافع بیّنہ (۳) موجود ہیں لکڑی کڑیوں میں کام آتی ہے پتوں سے پنکھے اور بوریئے بنتے ہیں شاخوں سے بھی چھت کے تختہ کا کام لیتے ہیں (اور بنگال میں اس سے رس نکالتے ہیں جیسے گنے کا رس نکالا جاتا ہے ۱۲ ظ)

---

(۱) درختوں میں سب سے پاکیزہ درخت (۲) آسان (۳) واضح فوائد موجود ہیں۔

دنیا میں کوئی چیز نفع سے خالی نہیں

اور بیّنہ کی قید اس لئے لگائی کہ منافع خفیہ تو ان چیزوں میں بھی ہیں جن کو ہم بے کار سمجھتے ہیں جیسا کہ گلزارِ ابراہیم میں ایک حکیم کا قصہ لکھا ہے کہ اس کو ایک دن پاخانہ میں بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ یہ پاخانہ کا کیڑا کس کام آتا ہے اس میں بظاہر کوئی منفعت نہیں معلوم ہوتی اس خیال کا آنا تھا کہ چند روز میں اس کی آنکھیں اندھی ہوگئیں بڑا گھبرایا بہت علاج کئے مگر کچھ نفع نہ ہوا اتفاق سے ایک دفعہ کوئی دوسرا حکیم اس کی بستی میں آیا جو آنکھوں کا علاج کرتا تھا اس اندھے حکیم نے بھی اُس سے رجوع کیا اس نے کوئی دوا اس کی آنکھ میں لگادی جس سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں اور اچھی طرح نظر آنے لگا اس نے حکیم سے پوچھا کہ اس دوا کے کیا اجزا ہیں دوسرے حکیم نے کہا کہ اسکا جزوِاعظم گوہ کا کیڑا ہے اس وقت اس کو تنبہ ہوا کہ یہ غیب سے مجھ کو سزا دی گئی تھی کیونکہ میں نے اس کو بے کار خیال کیا تھا حق تعالیٰ نے اس طرح مجھ کو اس کا نفع بتلایا ہے پس منافع خفیہ سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں گو ہم کو علم نہ ہو مگر کھجور کے تو ہر جزو میں منافع بیّنہ ہیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس لئے وہ عرب وعجم سب کے نزدیک اطیب شجر ہے۔

کھجور کے درخت اور کلمہ طیبہ میں وجہ مماثلت

آگے فرماتے ہیں ﴿اصلھا ثابت﴾ کہ اس کی جڑ تو جمی ہوئی ہے یعنی زمین میں وفرعھا فی السما اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ نخلہ میں اس صفت کا ہونا تو ظاہر ہے اور کلمۂ طیبہ کے لئے یہ وصف اس طرح ثابت ہے کہ اُس کی بھی ایک جڑ ہے جو مومن کے قلب میں جمی ہوئی ہے پس قلبِ مؤمن بمنزلہ ارض کے ہے اور اعتقاد توحید جو اس میں راسخ ہے وہ کلمہ طیبہ کی جڑ ہے اور قلبِ مومن کو ارض سے تشبیہ قرآن میں دوسری جگہ مصرح ہے سورۂ حدید میں ہے ﴿الم یان

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ؟ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾(۱) ''کیا مسلمانوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس دین حق (پرعمل) کے لئے جھک جائیں جو (اللہ کی طرف سے اُن پر) نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جن کو اُن سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ان کے دل سخت ہوگئے اور زیادہ تر ان میں سے فاسق ہیں جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں صراحۃً فرمایا ہے کہ ارض سے قلب مراد ہے اوپر جو اہل کتاب کی قساوت کا ذکر تھا جس سے ان کے مایوس اور ناامید ہوجانے کا احتمال تھا اس آیت سے مایوسی کو قطع کیا گیا ہے کہ گو تمہارے دل سخت تو ہوگئے مگر ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو بھی زندہ کردیتے ہیں اور ﴿فرعها فی السمآء﴾ یہ ہے کہ وہ عالم ملکوت کی طرف بلند ہوتا ہے جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ﴾(۲) اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے (یعنی حق تعالیٰ ہی اس کو قبول فرماتے ہیں) اور اچھا کام اس کو بلند کرتا اور پہنچاتا ہے صعود سے مراد تو قبول ہے اور رفع سے مراد ذریعہ قبول بننا ہے۔ اب اگر عمل صالح سے مراد ایمان ہے تب تو قبول سے مراد نفس قبول ہے کیونکہ ایمان ہر عمل کے قبول کے لئے شرط ہے اور اگر دیگر اعمالِ صالحہ مراد ہیں وہ نفس قبول کے لئے تو شرط نہیں مگر کمالِ قبول کے لئے شرط ہیں آگے فرماتے ہیں ﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ چونکہ مثال عجیب تھی اس لئے اس کی حکمت بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ لوگوں کے واسطے مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں کیونکہ

(۱) سورۂ حدید: ۱۶، ۱۷ (۲) سورۂ فاطر: ۱۰۔

مثال سے توضیح مقصود خوب ہو جاتی ہے۔

کلمۂ کفر کی مثال

آگے کلمۂ کفر کی مثال ہے: ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ اور گندہ کلمہ کی (یعنی کلمہ کفر و شرک کی) ایسی مثال ہے جیسے خبیث درخت ہو (حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ وہ حنظل کا درخت ہے) جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اس کو کچھ ثبات ہی نہ ہو چنانچہ حنظل کے درخت کے جڑ دور تک نہیں ہوتی نیز حنظل اور اس کا پھل بو اور مزہ میں بھی تلخ ہوتا ہے اسی طرح کلمۂ کفر سے دل کو بے چینی ہوتی ہے راحت نہیں ملتی اور اس کی جڑ گو کافر کے دل میں ہے مگر حق کے سامنے باطل ایسا مضمحل (مغلوب ہے) کہ گویا اس کے جڑ ہی نہیں اور جب اس کے جڑ ہی نہیں تو پھل وغیرہ کیا ہوتے اس لئے نہ یہاں شاخوں کا ذکر فرمایا نہ پھل کا اور یہ عجیب نکتہ ہے اس مقام میں کہ چونکہ کفر کا کچھ تو وجود ہے اس لئے اس کا کچھ ذکر فرما دیا اور چونکہ اس کا معتد بہ وجود نہیں اس لئے بقیہ آثار کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ذکر اس شے کا ہوتا ہے جو کچھ تو ہو اور یہ فی الجملہ وجود بھی دنیا میں ہے اور آخرت میں تو کفر معدوم ہی ہو جائیگا کیونکہ وہاں سب کو ایمان حاصل ہو جائیگا گو کفار کا وہ ایمان معتبر نہیں کیونکہ بالاضطرار ہوگا اختیار سے نہ ہوگا۔

کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کے اثرات

آگے اس آیت میں جس کی میں نے تلاوت کی ہے کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کے اثر کا ذکر ہے اوپر تو دونوں کی مثال تھی یہاں دونوں کے اثر کا بیان ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے (مراد کلمہ طیبہ ہے جس کی جڑ مضبوط ہے) دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں مضبوط رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح

کہ مؤمن کلمہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اِغواء سے محفوظ رہتا ہے اور مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے' اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں نکیرین کے سوال کا صحیح صحیح جواب دے دیگا آگے کلمہ کفر کے اثر کا بیان ہے ﴿ویضل اللّٰہ الظالمین﴾ یعنی اس کلمۂ خبیثہ کی نحوست سے کافروں کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونون جگہوں میں بچلا دیتے ہیں۔ دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے اور آخرت میں بچلنا یہ ہے کہ قبر میں ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت زدہ ہوکر کہیں گے افسوس ہم کچھ نہیں جانتے۔

عقیدہ وعمل کی درستی اور اسکا طریقہ

غرض قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں تھا اسی کی بدولت آخرت میں نجات ہوگی جس کی ایک جڑ ہے اور کچھ شاخیں ہیں جڑ تو عقیدۂ توحید ہے اور شاخیں اعمال صالحہ ہیں ان سب کا مجموعہ قول ثابت ہے پس عقیدۂ توحید کو پختہ کرو جس کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور اعمال کو صالح کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ علم دین حاصل کرو مسائل کی کتابیں دیکھو وعظ کی کتابیں مطالعہ کرو اور ان کے موافق عمل شروع کرو جس کے لئے ہمت کی ضرورت ہے کہ دین پر عمل کرنے میں اگر کوئی ملامت کرے تو کسی کی پرواہ نہ کرو پھر ان شاء اللہ آپ کو وہ دولت ملے گی کہ تمہارے اقوال واعمال واحوال میں نورانیت ہوگی اور کثرت ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کی تربیت وتعلیم حاصل ہے تب تو اس سے پوچھ کر کوئی ذکر شروع کرو اور اگر کسی کی تربیت نہیں ہے تو چلتے پھرتے لا الہ الا اللہ کا ورد کرتی رہو کام کے وقت زبان سے کسی قدر جہر کرتی رہو تا کہ یاد رہے اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھو یہ مُذَکِّرہ ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے۔

تسبیح کا فائدہ

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بعد کمال کے بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے تھے کسی نے کہا

حضرت اب تو آپ کو اس کی ضرورت نہیں رہی فرمایا جس رفیق کی بدولت یہ بات حاصل ہوئی ہے کیا اب اس کو چھوڑ دوں یہ تو بڑی بے مروتی ہے۔ غرض تسبیح سے غفلت نہیں ہوتی ذکر کا دھیان رہتا ہے اس کو ہاتھ میں رکھو اور کسی کے طعن کی پرواہ نہ کرو لوگوں میں مرض ہے کہ جہاں کسی نے تسبیح ہاتھ میں لی اور اس پر طعن شروع کیا مگر جب تم کو تسبیح سے دولت ملتی ہو تو مخلوق کو بکنے دو کیا کسی کے طعن سے ڈر کر اپنا نقصان کرلو گے؟

مراقبہ موت کا فائدہ

یہ تو قول ثابت کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے اور اس کے نباہ کا طریقہ وہ ہے جس کے لئے میں نے اس بیان کو اختیار کیا تھا یعنی موت کا مراقبہ اور قبر میں جانے کا تصور کرنا اس سے دنیا کی محبت دل سے کم ہوگی آخرت کا اہتمام پیدا ہوگا اور اعمال میں کوتاہی کا سبب حبِّ دنیا وعدم اہتمام آخرت (۱) ہی تھا جب یہ دونوں مرتفع (۲) ہو جائیں گے پھر عمل میں ان شاء اللہ کوتاہی نہ ہوگی لیجئے میں نے مکمل نسخہ اور کامل مطلب بیان کر دیا ہے اب عمل کرنا نہ کرنا آپ کے ہاتھ ہے۔

دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو توفیق عمل اور فہم سلیم عطا فرمائیں آمین۔ (۳)

وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمّد وعلی آلہ واصحابہ

اجمعین وآخر دعوان ان الحمد للہ رب العلمین

---

(۱) دنیا کی محبت اور آخرت کا اہتمام نہ کرنا ہے (۲) جب یہ دونوں باتیں نہ رہیں گی پھر عمل میں کوتاہی نہیں ہوگی (۳) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مراقبہ کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۴/ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ